Volume 03, Issue 03,
July-September 2025
PP: 20-27
Open Access on:
www.alimanjournal.com

AL-IMAN
Research Journal
P-ISSN: 3006-1261 E-ISSN: 3006-127X

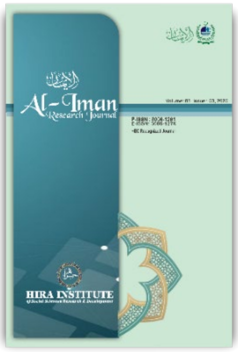

بین الاقوامی قانون کا بنیادی تمہیدی تعارف، ویٹو پاور اور معاہدہ امن: ایک تجزیہ

An Analysis of the Basic Introduction of International Law, Veto Power and Peace Treaty

Najmuddin Hamdani
Research Scholar
LLM International Law, IIUI
najmuddinhamdani@gmail.com

Article History

Received
25-07-2025

Accepted
08-09-2025

Published
15-09-2025

Indexing

Abstract
International law, derived from treaties, customs, and general principles recognized by civilized nations, has long sought to shape world order and safeguard global peace and security. Despite its noble objectives, the functioning of the United Nations Security Council has often been hindered by the use of veto power, which has repeatedly obstructed the peace process and exacerbated the suffering of many nations. This article critically examines the detrimental role of the veto in undermining international law and proposes alternative frameworks for achieving justice and peace. In particular, the paper argues that Muslim states should consider forming a collective bloc to safeguard regional and international stability, drawing inspiration from historical precedents such as Ḥilf al-Fuḍūl (the Pact of the Virtuous), which was established to defend the oppressed and promote justice. Moreover, the article highlights that global treaties, such as the Kyoto Protocol, reveal the selective engagement of powerful states, where non-ratification particularly by the United States demonstrates how national interests often supersede commitments to collective welfare.
The study concludes that the persistence of the veto system and the failure to ratify peace-oriented treaties represent serious obstacles to the realization of global harmony. It emphasizes the urgent need for reforms in international law that align with the principles outlined in the Preamble of the United Nations Charter (1945). By advocating for equitable treaties and cooperative mechanisms, this article presents a way forward to strengthen international peace, protect vulnerable nations, and advance the global pursuit of justice and security.

Keywords:
International Law, United Nations, Veto Power, Global Peace, Muslim States, Ḥilf al-Fuḍūl, Kyoto Protocol, Peace Treaties, Justice, Security.

All Rights Reserved © 2025 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

HIRA INSTITUTE
of Social Sciences Research & Development

انسان کی ترقی کا تعلق علم و حکمت اور فہم و فراست سے جڑا ہوا ہے۔ انسان نے جتنی بھی تہذیبوں کو ارتقائی سفر سے وجود بخشا اور ان تہذیبوں نے اپنے اپنے دور میں جو عروج حاصل کیے، اس میں نقطہ کمال (culmination point) تک پہنچنے میں بنیادی کردار علم کو ہی حاصل رہا ہے۔ تہذیبِ یونان کی حکمت اور عقل کا دور ہو یا اسلامی تہذیب کا دینی و اعتقادی، علمی و سائنسی دور، جب تک علم سے استفادہ کا سفر جاری رہا، ان تہذیبوں (civilizations) نے اپنی بالادستی دنیا پر قائم رکھی۔ یوں اس سفر میں جب ایک قوم کی تہذیب و ثقافت کا دیگر تہذیبوں سے رابطہ ہوا، تو جہاں آپس میں تعلق کی وجہ سے فائدے بھی رہے، وہیں تہذیبوں کا تصادم بھی رونما (clash of civilization) ہوا اور ایک قدرتی عمل (natural selection) سے اس تہذیب کو بقا ملی جس نے علم و عمل کے میدان میں اپنا وجود برقرار رکھا، یا یوں کہیے کہ بدلتے ہوئے حالات میں اپنا وجود برقرار رکھنے کے لیے انتہائی سطح پر اجتماعی کوششیں جاری رکھیں۔ لہٰذا بین الاقوامی قوانین کو بھی موجودہ دور میں جو بقاء ملی ہے، اس کے پس منظر میں اسلامی قانون بین الممالک کا وافر حصہ موجود ہے، بلکہ ماہر قانون بین الممالک ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے نزدیک یونانی، رومی قوانین، انٹرنیشنل لاء میں ہی شامل نہیں کیونکہ وہ مخصوص ہم وطن اور ہم نسل لوگوں کے وضع کیا گیا تھا، بلکہ کچھ قوانین انتہائی وحشیانہ قسم کے تھے۔ موجودہ انٹرنیشنل لاء بھی اصلاً عیسائی اقوام و ممالک کے لئے ہی وضع کیا گیا تھا۔[1]

اس تہذیبی سفر میں موجودہ زمانے میں جس کا سکہ چل رہا ہے، اسے ہم مغربی دنیا کے نام سے جانتے ہیں۔ اس تہذیب کی ابتداء تقریباً سولہویں صدی سے شروع ہوئی، جب مغرب اندھیرے ادوار (dark ages) سے گزر کر نشاۃِ ثانیہ (renaissance) سے ہوتے ہوئے، مغربی تہذیب (western civilization) کھڑا کرنے میں ایک سطح تک مکمل کامیاب رہا۔ اس تہذیبی سفر میں جن دائرہ کار (dimensions) میں مغربی اقوام نے کمال حاصل کیا، وہ فنونِ سائنس و ٹیکنالوجی، ادارہ سازی، ادب، سماجیات، دواسازی اور علمِ فلکیات وغیرہ ہیں۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ مغربی تہذیب کی تمام کامیابیاں صرف ان ہی اقوام کا خاصہ نہیں، بلکہ اس تہذیب کے قیام سے پہلے اسلامی تہذیب نے اپنے نقطہ عروج پر جہاں سفر روکا تھا یا ختم کیا تھا، انہی علمی و سائنسی بنیادوں پر مغرب نے اپنے سفر کا آغاز کیا، یوں مغرب کی علمی، ادبی و سائنسی تہذیب میں بنیادی کردار اسلامی تہذیب ہی کو حاصل ہے، جسے مغرب نے اپنے علاقائی، سماجی اور فکری طرز پر بہت ترقی دی۔ اسلامی تہذیب کی بنیاد میں قرآن کریم ہی کا فیض ہے، جس نے اسلامی تہذیب کو ایک زمانہ تک دوام عطاء کیا۔[2]

مغربی تہذیب کی جہاں چمک دمک اور فوائد ہیں وہ اپنی جگہ درست، لیکن اس بلاقید اور بغیر اصول و ضوابط کے آزاد کردہ تہذیب کے نقصانات بھی دنیا میں کم نہیں، ماحولیاتی تبدیلی (climate changing) کے مسئلہ نے دنیا میں ہیجان خیز کیفیت اختیار کر لی ہے اور یہ انسانوں کے کنٹرول سے باہر چلا گیا ہے، دنیا میں سیلابی تباہ کاریاں اسی کا نتیجہ ہیں۔ اس مسئلہ کی روک تھام کے لیے دنیا کی 192 ریاستوں (nation states) نے بین الاقوامی قانون (international law) کی روشنی میں Kyoto Protocol (1997) کے معاہدے پر دستخط کیے ہیں۔ جو کہ 2005ء سے نافذ العمل (enforceable) ہے۔ کیوٹو پروٹوکول ایک ایسا عالمی معاہدہ ہے، جس کا مقصد ماحول میں آلودگی کا سبب بننے والے گیسز (gases)، کاربن ڈائی آکسائیڈ (Carbon dioxide) اور (greenhouses) کے اخراج میں کمی لانا ہے۔[3] مگر مغربی تہذیب کی موجودہ سپر پاور امریکہ پر اس معاہدے کا قانونی اثر (legal impact) نہیں پڑتا، کیونکہ امریکہ نے اس معاہدے پر فقط دستخط کیے ہیں، اس معاہدے کی توثیق (ratify) نہیں کی۔ بین الاقوامی قانون کا اصول ہے کہ کوئی بھی معاہدہ اس وقت تک نافذ العمل نہیں ہوتا جب تک ریاستیں معاہدے پر دستخط کے ساتھ توثیق بھی نہ کریں۔

تہذیب مغرب کی نمائندہ کامیابیوں میں سے ایک اہم کامیابی، دنیا بھر کی تہذیب و ثقافت اور افکار و عقائد سے جڑی اقوامِ عالم کو ایک بین الاقوامی پلیٹ فارم پر جمع کرنا ہے۔ اس نمائندہ بین الاقوامی ادارہ کو اقوامِ متحدہ (united nations) کہا جاتا ہے۔ جو 1945ء میں

قائم ہوا۔ آج اس عالمی ادارہ کا حصہ بننے والی ریاستوں کی تعداد 193 ہیں، جنھیں (member states) کہا جاتا ہے۔ اس ادارے کے معاملات کو اصول وضوابط کے تحت چلانے کے لیے اقوام متحدہ کے منشور (united nations charter) کو بالاتفاق تمام ریاستوں نے قبول کر لیا اور موجودہ بین الاقوامی قانون کی بنیادی اساس یہی چارٹر ہے۔[4] مگر ڈاکٹر حمید اللہ کے بقول یہ قوانین تمام ممالک کے لیے یکساں نہیں کیونکہ اقوام متحدہ کا ممبر بننے کے لیے کم از کم دو پہلے سے منتخب ممبر ز سلطنتوں کا اِس نئی ریاست کو متمدن تسلیم و قرار دینا لازمی ہے۔[5] یہ بین الاقوامی قانون کا ایک تمہیدی و تہذیبی تعارف ہے۔ البتہ بین الاقوامی قانون کی تعریف اور اس کی تاریخ اور اس کے مآخذ و منابع (sources) کے لئے انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس (ICJ) کے سٹیٹیوٹ کے آرٹیکل 1(38) کا مطالعہ لازمی ہے، یہ آرٹیکل یوں مآخذ و منابع کا تعارف کراتا ہے:

A. “international conventions, whether general or particular, establishing rules expressly recognized by the contesting states;
B. international custom, as evidence of a general practice accepted as law;
C. the general principles of law recognized by civilized nations;
D. subject to the provisions of Article 59, judicial decisions and the teachings of the most highly qualified publicists of the various nations, as subsidiary means for the determination of rules of law.”[6]

بین الاقوامی قانون کے مآخذ و منابع کا ایک جامع تذکرہ اس آرٹیکل میں بیان ہوا ہے یعنی کہ بین الاقوامی کنونشن، چاہے عام ہو یا خاص اور مقابلہ کرنے والی ریاستوں کے ذریعہ واضح طور پر تسلیم شدہ قواعد قائم کرنا جو کہ بعد میں مآخذ قانون ہو گا ساتھ ہی بین الاقوامی رواج، قانون کے طور پر قبول شدہ عام عمل کے ثبوت کے طور پر بھی ماخذ قانون ہو ں گے اور مہذب ممالک کے ذریعہ تسلیم شدہ قانون کے عمومی اصول آرٹیکل 59 کی دفعات کے تابع، عدالتی فیصلے اور مختلف ممالک کے انتہائی اہل مبصرین کی تعلیمات، قانون کے قواعد کے تعین کے لیے ذیلی ذرائع کے طور پر استعمال میں لائی جا سکتی ہیں اور یہاں بین الاقوامی قانون سے مراد اصلاً (European International law) ہے، جس کا الگ پسِ منظر ہے۔[7]

لیکن دوسری طرف اسلام کا قانون بین الممالک ہے، جس کی اپنی الگ تاریخ ہے۔ اسلامی قانون بین الممالک پر ڈاکٹر حمید اللہ کی معروف کتاب (The Muslim Conduct of State) ہے[8] اور اردو میں ڈاکٹر محمود احمد غازی کی کتاب "اسلام کا قانون بین الممالک" ہے، جو بہت مفصل بارہ خطبات پر مشتمل ہیں اور قانون بین الممالک کے تمام گوشوں کا اسلامی نقطہ نگاہ سے بہترین جوابات لیے ہوئے ہیں۔[9]

یہ بات یاد رہے کہ اسلام خود ایک بین الاقوامی دین ہے اور اس دین کی تکمیل کرنے والے پیغمبر خود رحمت للعالمین ہیں۔[10] دنیا کے اندر کوئی خیر اور نیکی ایسی نہیں، جس کا تعلق براہ راست محمد مصطفی ﷺ کی سیرت سے نہ ہو، ہر نیکی اور خیر پر مبنی جذبہ جو انسانیت کو اس وقت حاصل ہے۔ یہ نبی اکرم ﷺ کی آمد ہی کا بالواسطہ یا بلاواسطہ نتیجہ ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی جملہ انسانوں کے لیے نمونہ عمل ہے۔ قرآن میں بیا ن ہوا ہے : لقد كان لكم فی رسول الله اسوة حسنة، بے شک رسول اللہ میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے[11] مثلاً بین الاقوامی قانون ہی کو لے لیں۔ جس کی کلی بنیادیں معاہدوں (treaties) پر مبنی ہیں اور اسی سے متعلق آج کل یہاں جتنے بھی معاہدات کا چرچہ ہے، اس کو قرآن وسیرت کی نظر میں دیکھیں تو وہ سارے معاہدات جو نبی اکرم ﷺ نے مدنی دور میں کیے، انہی اصولوں سے استفادہ کردہ لگتے ہیں۔ میثاق مدینہ جو مختلف مذاہب سے وابستہ لوگوں سے ہوا، صلح حدیبیہ جو مشرکین مکہ سے طے پایا۔ سب سے اہم معاہدہ جس کا خصوصی ذکر "السيرة النبويہ" لابن ہشام میں ہوا ہے وہ معاہدہ حلف الفضول (The pact of virtuous) ہے۔ حلف الفضول کا معاہدہ نبی اکرم ﷺ کو نبوت ملنے سے پہلے ہوا تھا، آپ ﷺ اس میں شریک ہوئے اور اس کی توثیق کی، جب دور نبوت میں اس معاہدے کے بارے

میں سوال ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں حلف میں (معاہدے میں) شریک ہوا، اگر مجھے اس کے بدلے میں سرخ اونٹ بھی دیئے جائیں تو میں انہیں پسند نہ کرتا۔ اگر مجھے اسلام کی موجودگی میں بھی بلایا تو میں قبول کروں گا۔[12] یہ معاہدہ مظلوم کی مدد سے متعلق تھا، چاہے مظلوم مکہ کا شہری ہو یا باہر سے مکہ آیا ہو، ہر حال میں اسے ظالم سے بچانا اور اس کی امداد کرنا مقصد تھا۔[13]

اقوام متحدہ کا منشور 1945ء دیکھیں تو اس میں صراحت سے ذکر ہے کہ اس چارٹر کا مقصد انسانیت کو جنگ، ظلم، زیادتی اور ہر طرح کی ناانصافی سے تمام صورت حال میں مامون و محفوظ رکھنا ہے۔[14] دنیا میں امن کے قیام کے لیے ایک اجتماعی پلیٹ فارم پر تمام رنگ و نسل کو اکٹھا کرنے میں اسلام کا اور سیرت نبوی کا کردار بھی بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ انسانی تہذیب کی ابتداء سے لے کر آج کے دن تک جنگ و جدل ہر معاشرے کا حصہ رہا ہے۔ معلوم تاریخ میں شاید کوئی ایسی قوم ہو جس کی تاریخ جنگ اور قتل و غارت گری سے مبرّا یا خالی ہے، ایسا ممکن ہی نہیں۔ مایہ ناز ماہر سماجیات و معاشرت دان علامہ عبد الرحمان ابن خلدون، جو کہ عمرانی علوم اور تاریخی علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے انہوں نے بھی اپنی کتاب المقدمہ لابن خلدون میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ انسانیت نے اپنی معاشرتی زندگی کے شروع ہی سے جنگ اور تباہی و بربادی کا نظارہ کیا ہے، جو کہ اس کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے اور یہ انسانی جبلت سے بدلہ لینے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔[15]

قدیم انسان سے جدید انسان تک کی تہذیب و ثقافت کا مطالعہ بتاتا ہے کہ سب کی ضروریات اور بنیادی حاجتیں آپس میں مطابقت رکھتی ہیں۔ اگر کوئی فرق ہے تو وہ جزئی فرق (partial difference) ہے نہ کہ کلی فرق (holistic difference) لیکن انسانی آبادی میں اضافہ کے سبب سے انسانی ضروریات میں بھی اضافہ دیکھنے میں آتا ہے، یہی کیفیت ہر قوم، معاشرہ اور ملک کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگر انسان اپنی بنیادی ضروریات کے لیے آپس کے انسانوں سے تعلق قائم رکھتا ہے تو ملک و قوم کے قیام و بقاء اور ضروریات کو پورا کرنے کے لیے آپس کے قریبی ممالک یا کہ جغرافیائی اہمیت کے حامل ممالک سے رابطہ بھی استوار رکھنے کی پوری کوشش بھی کرتا ہے۔ اگر آپس کی سماجی، معاشرتی اور معاشی ضروریات امن کے ذریعے سے حاصل ہوں تو ملکوں کے تعلقات دیر تک قائم و دائم رہتے ہیں، لیکن اگر یہ ضرورتیں امن و آشتی کے ذریعے پوری نہ ہوتی ہوں تو جنگ و جدل سے بھی اسے لازماً پورا کیا جاتا ہے۔ قدیم زمانہ سے جدید زمانہ تک جنگ کی نوعیت بدلتی رہی ہے لیکن قومی و ملکی ضرورتوں کے لیے compromise کا اصول کہیں کہیں دیکھنے میں آتا ہے۔ آج کل کے دور میں قوموں کی زندگی میں شدت سے دو بنیادی عناصر کا اضافہ دیکھنے میں آتا ہے۔ ایک ٹیکنالوجی و سائنسی ضرورت اور دوسرا اپنے علاقہ کی جغرافیائی یا سرحدی (territorial and security safety) حفاظت کی ضرورت۔[16] زمانہ قدیم میں زیادہ تر اپنے فوجی وسائل کے بل بوتے پر دوسرے ممالک پر چڑھ دوڑتے تھے اور ہر طرح سے دوسرے ملک کو لوٹا جاتا حتی کہ اس ملک کے عوام کو غلام بھی بنایا جاتا تھا۔ صنعتی انقلاب کے زمانہ میں افریقہ کے باشندوں کو امریکہ و یورپ نے اپنی صنعتوں اور فیکٹریوں کو چلانے کے لیے زبردستی قید و بند کے ذریعے استعمال کیا اور جب یہ ضرورت صحیح تعداد میں پوری نہ ہوئی تو مزید جنگ و قتال سے اسے پورا کیا گیا۔

لیکن جب سے اقوام متحدہ کا قیام ممکن ہوا ہے۔ ایسے انسانیت سوز سلوک اور ممالک پر تقریباً مختلف معاہدات کے ذریعے پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں، مثلاً جبری مزدوری کے ابطال کا اجتماع (Abolition of Forced Labour Convention, 1957)۔ بلکہ تمام ممالک کے آئین میں بھی بنیادی حقوق (fundamental rights) کے آرٹیکلز شامل کیے گئے ہیں، جن میں ایسے طریقوں کو خلاف انسانیت اور انسانی شرف و عظمت (human dignity) کے خلاف قرار دیا گیا ہے۔[17] اسی طرح سے اقوام عالم نے مل کر امن عالم کے قیام کے لیے کچھ ایسے اہم اقدامات کیے جس سے طاقت ور ممالک پر ہر آن دوسرے چھوٹے اور کمزور ممالک پر حملہ کرنے کی روش پر قانونی پابندی اور عالمی قدغن لگی، اقوام عالم کے چارٹر (Charter of United Nations) کے آرٹیکل 2(4) میں طاقت کے استعمال پر پابندی کا

ذکر کیا گیا ہے(Prohibition on the use of force)۔ لیکن اسی چارٹر کے آرٹیکل (3)27 میں سیکیورٹی کونسل کے پانچ مستقل ممبرز کو ویٹو کا اختیار دیا گیا ہے کہ جب بھی ان میں سے کوئی حقِ ویٹو استعمال کرے گا تو کسی طرح کا بھی فیصلہ نافذ العمل نہیں ہو گا اور باقی دس غیر مستقل ممبرز کے ووٹ کی کوئی قانونی اہمیت باقی نہیں رہتی۔[18] یہ کیسا عجیب نظریہ ہے کہ دنیا میں جمہوریت کے نام پر(majority powers)اکثریتی قوت کے قائل جب سیکیورٹی کونسل پہنچتے ہیں تو یہاں اکثریتی ووٹ کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور ایک مطلق العنان کے فیصلہ کے آگے سارا اکثریتی ووٹ باطل قرار پاتا ہے۔ سیکیورٹی کونسل کے پانچ مستقل ممبرز، چین، روس، امریکہ، یونائیٹڈ کنگ ڈم(برطانیہ)، فرانس میں سے اگر کوئی بھی اپنا(right to veto)حقِ ویٹو استعمال کرتا ہے تو باقی چودہ ممبرز کے ووٹ پر بھی کوئی فیصلہ نافذ العمل نہیں ہوتا ۔ آج کے اس زمانہ میں سیکیورٹی کونسل کے مستقل ممبرز ویٹو کے ذریعے سے اپنے ملکی مفادات کا تحفظ کرتے ہیں اور ایسے ممالک جن کے پاس جدید اسلحے، بالخصوص جو ممالک نیوکلیئر طاقت کے حامل نہ ہوں، ان پر چڑھ دوڑتے ہیں اور وہاں سر پھٹول اور فسادات پھیلا کر دم لیتے ہیں۔

جب 24 فروری کو روس نے یوکرائن پر دھاوا بولا اور زمینی، فضائی اور سمندری راستہ سے بھرپور حملہ کیا تو دنیا کی اقوام میں ایک ہل چل مچ گئی۔ سیکیورٹی کونسل نے اس پر ہنگامی اجلاس طلب کیا، لیکن یہ بے نتیجہ اختتام پذیر ہوا۔ روس نے ویٹو کیا، چائنہ، یونائیٹڈ عرب امارت اور انڈیا ووٹ دینے سے باز(abstained) رہے اور گیارہ ممالک نے اس حق میں ووٹ دیئے کہ روس یوکرائن میں جنگ سے واپس لوٹے اور اپنے تمام لشکروں کو واپس بلائے(withdrawal of all troops)۔ لیکن روس کے ویٹو(negative vote)نے اس اجتماعی و اکثریتی فیصلے پر عمل ہونے نہ دیا، یوں نظریہ جمہوریت کے ایک لحاظ سے بخیے اُڑ گئے۔ ہمیں فی الحال اس سے بحث نہیں کہ روس کا یوکرائن پر حملہ بین الاقوامی قانون کے لحاظ سے جائز ہے یا ناجائز یا کہ روس کا اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے حفظ ماتقدم کے تحت(preemptive strike)کا جواز پیش کر کے قبل از حملہ یوکرائن سے جنگ درست ہے یا نہیں۔ لیکن یہ بات طے ہے کہ امنِ عالم کے قیام میں ویٹو پاور سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ کیونکہ جب بھی ویٹو کا استعمال ہوتا ہے ان عالمی سورماؤں کے مفادات ہمیشہ مقدم رکھے جاتے ہیں، چاہے ان مفادات کے لیے نسل انسانی کو خون سے رنگین ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔[19]

زمانہ قدیم کی انسانی ضرورتوں کے مقابلے میں آج کی انسانی ضرورتیں بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں، اس لیے لامحالہ ملک و قوم کی اجتماعی ضروریات زندگی، جن میں معاشی، سائنسی اور جغرافیائی اہمیت شامل ہے، یہ سب بھی بڑھ گئی ہیں۔ پہلے زمانوں میں باقاعدہ جنگ و قتال کے ذریعے سے اپنے مفادات کا تحفظ کیا جاتا تھا تو آج بھی جنگ و قتال کے ذریعے سے ہی ان قومی و عالمی مفادات کا تحفظ کیا جاتا ہے۔ لیکن اس فرق کے ساتھ کہ آج کے عالمی زمانہ میں اسے قانونی لبادہ پہنانے کے لیے ویٹو جیسے حق کا استعمال بھی جائز تصور کیا جاتا ہے۔ یہ سوال اپنی جگہ باقی ہے کہ عالمی قوانین کو تیار کرنے اور انہیں قانونی شکل دینے میں مشرقی تہذیب اور مذاہب کا کتنا ہاتھ ہے یا یہ صرف مغربی قوتوں کی کارفرمائی ہے، جس میں بالخصوص اسلامی تہذیب و ثقافت کا دور دور تک واسطہ نہیں۔ اقوام متحدہ کے قیام کے بعد بھی امنِ عالم کو درپیش مسائل خود ان قوانین اور ان کے تشکیل کردگان پر سوالیہ نشان ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ نیوکلیئر طاقت کا حامل ملک کمزور ممالک کے درپے ہو اور ان چھوٹے اور معاشی کمزوری کے حامل ممالک پر اپنی تہذیب و ثقافت اور نظریات و قوانین کو نافذ کرنا چاہتا ہو، جس کے لیے ویٹو پاور کو بے تحاشہ استعمال کیا جاتا ہے لیکن عالمی امن کے قیام کا ڈھونگ رچا کر!۔ اس لیے یہ سوال اہم بنتا ہے کہ کیا ویٹو پاور کے استعمال کی گنجائش کے ہوتے ہوئے عالمی امن کا خواب پورا ہو سکتا ہے؟ کیا دنیا کے نقشہ پر موجود تمام ممالک کے قسمت کے فیصلے صرف پانچ طاقت ور ممالک ہی کریں گے؟ کیا ویٹو پاور بین الاقوامی قوانین کے روح و مزاج کے خلاف نہیں؟ چارٹر آف یونائیٹڈ نیشن کے آرٹیکل (3)24 میں یہ بات مانی گئی ہے جب سیکیورٹی کونسل امن کے قیام میں لاچار و ناکام ہو جائے تو وہ اپنی سالانہ یا سپیشل(special report) جنرل اسمبلی کو(consideration) غور و فکر کے لیے ارسال کرے

گی۔ تاکہ جنرل اسمبلی جو قوموں کی نمائندہ عالمی تنظیم کا ایک اہم (organ) رکن ہے، امنِ عالم کے قیام میں حائل رکاوٹ کو دور کر سکے۔ لیکن حقیقت تو یہی ہے کہ طاقت ور ریاست کے خلاف اس تنظیم کے ذریعے اقدام اٹھانا فی الحال ممکن نظر نہیں آتا۔[20]

اس تناظر میں کیا مسلمان ریاستیں جن کی اکثریت مشرقی دنیا میں واقع ہے کیا وہ بھی اپنی ایک ایسی عالمی تنظیم (Muslim block) کے قیام کو ممکن بنا سکتے ہیں، جو امنِ عالم کے حوالے سے فیصلہ سازی میں بااختیار ہو، تاکہ کمزور و بے سہارا ممالک کو سہارا دے سکیں۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ مسلم بلاک کی اجتماعیت کو ہی سیکیورٹی کونسل کے مستقل ممبر کی حیثیت حاصل ہو، کیونکہ اس کے علاوہ قطعی طور پر یہ تو واضح ہے کہ اقوام متحدہ میں کوئی بھی مسلم ملک فیصلہ سازی کے حوالے سے اختیارات کا حامل نہیں۔ یہ ایک بہت واضح حقیقت ہے کہ آج تک کے لیے بھی سیکیورٹی کونسل نے جہاں مداخلت کی ہے تو وہاں طاقتور ریاستوں نے مکمل طور پر اپنے فائدہ و نقصان کو پہلے سے طے کرنے کے بعد ہی اجازت دی ہے۔ یوں غور کیجئے عراق، افغانستان، فلسطین اور شام میں کون سے ایسی حالات تھے جو عالمی امن (global peace and security) کے لیے خطرہ تھا کہ ان علاقوں میں خون کی ہولی کھیلی گئی مگر اقوام متحدہ سوائے کاغذی کاروائی جو کہ فقط، سیکیورٹی ،کونسل اور جنرل اسمبلی کی قرار داد کے کچھ زیادہ نہ کر سکا۔ کہیں عالمی طاقتوں نے اقوام متحدہ کو ہی مفلوج تو نہیں کیا، کیونکہ کشمیر، تائیوان اور یوکرائن میں اقوام متحدہ اور سیکیورٹی کونسل کا کردار بالکل صفر ہے۔ اس لیے مسلم ممالک کے بلاک کا ہونا ناگزیر ہے تاکہ انسانیت کی حفاظت ہو سکے۔[21] سوچئے! عمل میں لائیے اور امنِ عالم کے قیام کے خواب کو حقیقت کا روپ دیجئے۔

موجودہ دنیا کی تاریخ میں جو رول دیگر اقوام کا ہے بالخصوص مغربی دنیا کا، ان کے اثر سے شاید ہی کرہِ ارض کا کوئی کنارہ محفوظ ہو۔ دنیا کا کوئی علاقہ ایسا نہیں جو ان سے بالواسطہ یا بلاواسطہ متاثر نہ ہو۔ کہیں ان کی معاشی ترقی چھائی ہوئی ہے تو کہیں ان کی سیاسی ترقی کا بول بالا ہے اور ٹیکنالوجی کے میدان کے تو وہ شہسوار بنے ہوئے ہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ جہاں کوئی اعلیٰ علمی گفتگو ہو تو انہیں آج بھی حوالہ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ چلیں اسے اِدھر ہی رہنے دیں۔ آپ میں سے ہر ایک اپنے آس پاس ہی دیکھ سکتا ہے کہ ان کی ایجاد کردہ چیزوں کے ہم سارے بہت بڑے کنزیومرز (consumers) ہیں، بالخصوص مسلم ممالک تو دیگر اقوام کی ہی مارکیٹ ہیں جہاں ان کی بنی اور دریافت کردہ اشیاء ہی فروخت ہوتی ہیں۔ ان کی ترقی کا یہ عالم ہے کہ اب یہ اقوام مصنوعی ذہانت (Artificial Intelligence) والے انسان کی تخلیق پر تلے ہوئے ہیں۔ ایسا کیوں اور کیسا ہوا۔ اس کے کئی جوابات دیئے جاسکتے ہیں لیکن اصل اور رہنما جواب تو ایک ہی ہے، وہ قیام امن ہے اور ہاں باقی ساری وجوہات اور جوابات اس کے ہی ضمیمہ جات (appendixes) بن جائیں گے، کیونکہ علمی، فکری، ذہنی، معاشی اور سیاسی ترقی کے لیے امن ہی وہ واحد راستہ ہے جس پر چل کر ہی منزل مل سکتی ہے۔[22] یوں تو لڑائی جھگڑا، سر پھٹول اور دنگا فساد ہر معاشرہ کا حصہ رہا ہے، جیسے کہ ابن خلدون نے اپنی کتاب المقدمہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ تاریخ عالم میں شاید ہی کوئی قوم ایسی ہو جو جنگ وجدل سے پاک رہی ہو۔[23] لیکن جھگڑوں کو ہمیشہ کے لیے اپنے دامن سے پیوست رکھنا ہے یا اس سے بچ کر امن کی راہ لیتے ہوئے اپنے سفر کو رواں رکھنا ہے۔ اس کا انحصار قوم کے عمومی مزاج سے متعلق ہے۔ لیکن حقیقتاً امن کی راہ اختیار کرنا ہر ایک کی ذاتی اور اجتماعی ذمہ داری بھی بنتی ہے۔

مغربی اقوام کی تاریخ بھی حرب وجنگ سے خالی نہیں، بلکہ یوں کہیے کہ دنیا میں جتنی کثرت سے خون ان قوموں نے بہائے ہیں شاید کہ حساب سے باہر ہو۔ خاص کر ان کی مذہبی بنیادوں پر کی گئی بہیمانہ قتل و غارت گری اور اختتام تک نہ پہنچنے والی حروب (relentless war) نے تو انسانیت کی نسلیں ہی مٹائی ہیں۔ یہ مغرب کے پستی اور زوال سے نکلنے کے ابتدائی ایام ہی تھے یعنی کہ قرون وسطی (dark ages) کا زمانہ تھا۔ یہ قتل و غارت گریاں جہاں سیاسی اقتدار کے حصول کے لیے ہوتی تھیں وہیں مذہبی متون (religious scriptures) کی ایسی تعبیرات اور تشریحات بھی تھیں، جن میں سے علوم عقلی کا مذہبی زاویہ سے نقطہ نظر کا پیش کرنا بھی تھا اور یہاں سے

ہی غیر دینی فتویٰ سازی کی دکانیں بھی کھل گئیں۔ ان ہی بنیادوں پر بہت سے سائنسدانوں، مفکروں اور نئے فکر کے حامل دانش وروں اور علماء کا بے تحاشا خون بہایا گیا۔[24] سنٹرل یورپ میں 1618ء سے 1648ء تک کی جنگیں مغربی قوم کی بند آنکھیں کھولنے کے لیے کافی تھیں۔ اس تیس سالہ جنگوں نے ان اقوام کو یہ باور کرایا کہ لڑائی، فسادات اور مذہبی خود ساختہ پابندیوں سے کوئی بھی ترقی ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ یہ اقوام اس نتیجہ پر پہنچیں کہ آپس میں ایک ایسا معاہدہ کیا جائے جو آئندہ کے لیے کسی بھی پیش آمدہ جنگ کو روکنے کا ذریعہ بنے اور آپس کے مناقشات (disputes) کو مکالمہ کے ذریعے حل کیا جائے۔ اس کے لئے 1648ء میں ایک تاریخ ساز معاہدہ کیا گیا جسے معاہدہ ویسٹ فالیہ (Treaty of Westphalia) کہا جاتا ہے۔[25] اسی کی بنیاد پر بہت بعد کو معاہدہ پیرس (Paris Pact) 1928ء اور آگے بڑھ کر، مغربی اقوام کی ہی کوششوں سے 1945ء میں بین الاقوامی چارٹر (United Nations Charter) بھی منصۂ شہود پر آئے۔

یاد رہے کہ مرکزی یورپ کی جنگیں رومن بادشاہ کا اپنا مخصوص عقیدہ عیسائیت (Catholicism) کو جبراً نافذ کرنے کے نتیجہ میں شروع ہوئی تھیں۔ معاہدہ ویسٹ فالیہ سے اقوام عالم میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا، جس کے نتائج آج کے دور میں ہم دیکھ رہے ہیں بالخصوص سائنسی ترقی اپنے نقطہ عروج (culmination) پر ہے۔ ہمارے دینی ذخیرہ میں بھی ایک عظیم معاہدہ کا ذکر موجود ہے، جسے نہ ہم عملاً جانتے ہیں نہ علماً۔ اور یہ ایک ایسا معاہدہ تھا جسے خود خالق کائنات نے فتح مبین (manifest victory) کہہ کر مخاطب کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "انا فتحنا لک فتحا مبینا" بے شک ہم نے آپ کو واضح فتح عطاء کی۔[26] اور ہاں جانتے بھی ہم کیسے، کیوں کہ جس کتابِ حکیم، قرآن میں اس معاہدہ کی طرف اشارہ ہے اسے ابھی تک ہم نے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی اور نئی نسل میں تو آج کل تلاوت کرنے کا بھی رجحان کم ہوتا جارہا ہے، جب اس کتاب کے حق کو ہم ادا کرنے پر تیار نہیں تو ہدایت اور امن کیسے ملے گا۔ بہر حال یہ معاہدۂ صلح حدیبیہ (628ء) ہے، جسے رسول اللہ ﷺ نے مشرکین مکہ کے ساتھ کیا۔ یہ معاہدہ بھی اصلاً دس سالہ جنگ بندی کا معاہدہ تھا۔ گو کہ اس معاہدے کی شرائط سے بظاہر اور وقتی لحاظ سے مسلمانوں کی شکست واضح ہو رہی تھی لیکن حقیقتاً ایسا نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے اس ظاہری شکست کے اندر ہی سے ایک عظیم فتح مسلمانوں کے لیے مقدر کی ہوئی تھی، جسے بعد کو مسلمانوں نے فتح مکہ (630ء) کی صورت دیکھا، وہ بھی بغیر جنگ وجدل کے اور ہاں یہ سب تو اسی ضمن میں ہی حاصل ہوئے جب قرآن کے بتائے ہوئے اصول (والصلح خیر (النساء:128) صلح میں ہی بہتری ہے) پر مسلمان کاربند رہے۔[27] اس اصول کو جو بھی اپنائے گا مسلم یا غیر مسلم فائدہ میں رہے گا۔ جیسا کہ اس مضمون میں دو معاہدات کا ذکر ہوا اور اس سے حاصل ہونے والے نتائج پر بھی سرسری نگاہ ڈالی گئی اور ہاں اسلام کی نگاہ سے یہ بھی ضروری نہیں کہ ہم ہمیشہ اپنی ہی مخصوص شرائط پر ہی معاہدہ کر لیں۔ معاہدہ اسی وقت نتیجہ خیز ہوتا ہے جب ہم کبھی دوسروں کی شرائط کو بھی اوّلیت کا درجہ دیں۔ جیسے سیرت حدیبیہ سے واضح ہوتا ہے۔[28]

تو کیا صلح اور معاہدہ کی برکت خاص ایک ہی وقت اور زمانہ کے لیے ہے یا کہ اس کے فوائد عام ہیں۔ اگر مسلمانوں کے ہزار سال بعد بھی مغربی اقوام جنگ نہ کرنے اور بھائی چارگی سے رہنے پر معاہدہ ویسٹ فالیہ (1648ء) کر کے عروج حاصل کر سکتی ہیں تو مسلمان قومیں آپس میں معاہدات کرنے میں لیت ولعل کا کیوں مظاہرہ کرتی ہیں۔ معاہدات کی اہمیت تو انفرادی سطح پر بھی ہے اور اجتماعی سطح پر بھی۔ بس کرنا یہ ہے کہ مسلمانانِ عالم پہلے پہل ایسا دینی مزاج اختیار کر لیں جو قرآن وسنت اور سیرت رسول ﷺ کے عین موافق ہو۔ کیونکہ جب تک مکمل دینی مزاج کی کیفیت طاری نہ ہو، کیے گئے معاہدات کی اہمیت بھی فقط کاغذی نوعیت کی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اسی پر قیاس کر کے خود سے سوچیں کہ ہمارا وطن سے کیا گیا معاہدہ ہو، اپنے اداروں سے کیے گئے معاہدات ہوں، مذہبی بھائی چارگی کے قیام کے لیے وجود میں لائے گئے معاہدات ہوں یا ذاتی معاملہ سے متعلق کوئی معاہدہ ہو۔ دینی مزاج نہ ہو تو کوفیانہ صفت ہر انسان میں جڑ پکڑ لیتی ہے، جس طرح امام حسین علیہ السلام سے کیے گئے وعدہ بیعت اور معاہدات کو کوفہ والوں نے نظر انداز کر دیا۔

حوالہ جات:

1 محمد الیاس الاعظمی، "**ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور قانون بین الممالک**" (اسلام آباد: فکر و نظر شمارہ 1-4)، 40-206-200/41-

2 ابو محمد مخدوم زادہ، **قرآن کریم کے سائنسی انکشافات**، (لاہور: مشتاق بک کارنر)، ص 7-17-

3 یونائیٹڈ نیشن آن کالائیمیٹ چینج، **کیوٹو پروٹوکول کیا ہے؟** (https://unfccc.int/kyoto_protocol) تاریخ رسائی: 2025 -07-29 -

4 دیکھئے، دیباچہ اقوام متحدہ کا منشور۔

5 محمد الیاس الاعظمی، "**ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور قانون بین الممالک**" (اسلام آباد: فکر و نظر شمارہ 1-4)، 205/41-

6 آرٹیکل (1) 38۔ انٹرنیشل کورٹ آف جسٹس آف سٹیٹیوٹ

7 ڈاکٹر محمد مشتاق خان، **جہاد، مزاحمت اور بغاوت: اسلامی شریعت اور بین الاقوامی قانون کی روشنی میں**، (گجرانوالہ: الشریعہ اکادمی)، ص 154-162-

8 ڈاکٹر حمید اللہ، **دی مسلم کنڈکٹ آف سٹیٹ**، (لاہور: شیخ محمد اشرف پبلشرز، 1945ء) -

9 ڈاکٹر حمید اللہ، **اسلام کا قانون بین الممالک**، (اسلام آباد: بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، 2007ء) -

10 سورۃ الانبیاء 21: 107-

11 سورۃ الاحزاب 33:21-

12 عبدالملک ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، (بیروت: دار التراث العربیہ، 1995ء)، 170/1-

13 مولانا صفی الرحمان مبارکپوری، **تجلیات نبوت**، (لاہور: دارالسلام، 2024ء)، ص 46-

14 دیکھئے، دیباچہ، اقوام متحدہ کا منشور۔

15 عبدالرحمان، ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، (بیروت: دارالقلم، 1984ء)، ص 270-

16 دیکھئے: آرٹیکل (4) 2 اقوام متحدہ کا منشور۔

17 دیکھئے، جبری مزدوری کے ابطال کا اجتماع 1957ء۔

18 آرٹیکلز (4) 2 ، (3) 27 اقوام متحدہ کا منشور۔

19 نجم الدین ہمدانی، **عالمی امن کے قیام میں رکاوٹ: ویٹو پاور**، ہم سب ویب سائٹ، آن لائن، (10-03-2022)-

20 ایضاً

21 نجم الدین ہمدانی، **اسلامی قانون میں انسانی ہمدردی کی بنیاد پر مداخلت کے ذریعے انسانی زندگی کا تحفظ**، لیگل ٹرانسفارمیشن ان مسلم سوسائٹیز، 146/1-

22 نجم الدین ہمدانی، **لڑائی لڑتی قوم معاہدہ امن کرلے**، ہم سب ویب سائٹ، آن لائن، (06-08-2022)

23 عبدالرحمان، ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، (بیروت: دارالقلم 1984ء)، ص 270-

24 مولانا وحید الدین خان، **اظہار دین، مذہب اور جدید چیلنج**، (گڈز ورڈ پبلیکشنز، 2019ء) -

25 نجم الدین ہمدانی، **لڑائی لڑتی قوم معاہدہ امن کرلے**، ہم سب ویب سائٹ، آن لائن، (06-08-2022)

26 سورۃ الفتح 48:01-

27 سورۃ النساء 04:128-

28 مولانا وحید الدین خان، **مطالعہ سیرت و پیغمبر انقلاب**، (گڈز ورڈ پبلیکشنز، 2019ء۔